شذرات

دین کی تعلیم کا اصل مقصد اور معنی ہیں اس کے پروگرام اور دستور نظام کے نشر و اشاعت اور اس کے اصول سے اس طرح بحث کرنا کہ فطرتِ انسانی کے موافق ہو اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس میں ان کی زندگی کی ضمانت اور امان موجود ہے۔ اور ان کی زندگی کی تکمیل اس دین سے ہوگی۔ یہ تب ہوگا جب اس کے لیے ایک مستقل جماعت اور پارٹی موجود ہو۔ وہ جماعت آگے چل کر حکومت بنے گی۔ حکومتوں کا اصول یہ ہے کہ وہ اپنے سوا دوسری حکومت کو نہیں مانتیں۔ اس طرح، دوسری حکومتوں اور اس نئی حکومت کی آپس میں ٹکر ہوگی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اسی طرح ہوا۔ حکومت اجتماعیہ کی فتوحات کے ابتدائی دور میں صرف عزم پر اعتماد رہا اور جماعت کی تنظیم اس طرح ہوئی کہ وہ ایک فرد اور شخص کی مانند تھی اور اس کا عزم مصمم تھا۔ حق پر عزم کی یہ تائید ملأ اعلیٰ کی توجہ کو اس جماعت کی تائید کی طرف کھینچ لیتی ہے، اس وقت ایسی برکات نازل ہوتی ہیں جو عام طور پر نازل نہیں ہوتیں اور ایک کمزور جماعت بڑی قوت اور عدد والی جماعت پر غالب آجاتی ہے، اس کا مظاہرہ بدر کے واقعے میں ہوا۔ اس واقعے کا نتیجہ اور اس تجربے کا اثر یہ ہوا کہ قوی نظام پر جماعت کی تنظیم اللہ کی طرف سے رحمت کے نزول کا باعث بنی۔ قرآن حکیم کی سورۂ انفال کا مقصد اس واقعے کا ذکر اور دشمنوں کے ساتھ لڑنے والی جماعت کی تکوین کے لیے ان کو قانون کی تعلیم دینا ہے۔

مسلمان مکہ ابتدائی اجتماعیت میں اپنے داخلی امور میں ایک حکومت کی طرح تھے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے آدمی کے حکم کا اتباع نہیں کرتے تھے۔ یہ ایک مخصوص

جماعت تھی جس میں عوام نہ تھے، جب یہ جماعت مکہ سے مدینہ کی طرف منتقل ہوگئی تو عوام بھی ان سے مل گئے، تب یہ تنظیم، یا دوسرے لفظوں میں، اپنے نظام کی تکمیل کی طرف محتاج ہوئے۔ ان کو قواعد کے استنباط کی ضرورت محسوس ہوئی - اور قواعد کا استنباط واقعی امور سے ہوتا ہے۔ بدر کا واقعہ ان کے اصول کی طرف متوجہ ہونے کا سبب بنا۔ قرآن حکیم کی سورۂ انفال میں ان اصولوں کا بیان ہے جن پر لڑنے والی جماعت کا نظام مبنی ہوتا ہے۔

اجتماعیات میں یہ تجربہ ثابت ہوا ہے کہ جب کوئی قوم دوسری قوم پر غالب ہوتی ہے اور ان کو مالِ غنیمت ہاتھ آتا ہے تو جب تک ان میں غنائم کی تقسیم میں اختلاف ہوگا تو ان کے ہاں قوی نظام نہیں ہوسکتا۔ کبھی ایسی حالت میں یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ دشمن واپس لوٹ آئے اور وہ غلبہ حاصل کرلے، تب قائد جیش کی یہ بھی پالیسی ہوتی ہے کہ دشمنوں کی صفوں میں اختلاف پیدا کرے اور کچھ غنائم قصداً چھوڑ دی جاتی ہیں تاکہ وہ غنائم کی طرف توجہ کریں اور وہ باہمی اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ قرآن مقدس نے اس علت کی طرف انفال کے شروع میں تنبیہ فرمائی ہے۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الآیہ اے پیغمبرؐ! آپ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کو کس طرح تقسیم کریں؟ اے پیغمبرؐ! کہہ دیجیے کہ انفال اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہیں۔" ان امور میں پیغمبر علیہ السلام اللہ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ کے حکم کی تشریح قرآن کے حکم سے ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کا حکم رسول کے حکم کے ساتھ مشروح ہوتا ہے۔ جملہ فیصلوں میں اسی کا خیال رکھا جائے گا۔

قانون نام ہے قرآن کا۔ اور جو اللہ کے حکم کو نافذ کرتا ہے، وہ رسولؐ ہے۔ اس لیے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔

اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ کے معنی یہ ہوں گے کہ انفال حکومت کے لیے ہیں اور حکم رسولؐ کی تنفیذ کے ساتھ نافذ ہوگا۔ اس فیصلے کے بعد غانمین میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ اب خلاصہ یہ ہوا کہ انفال اور غنائم قرآنی حکومت کے لیے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا ہے اور حکومت اس کو وقتی مصالح میں خرچ کرے گی۔

اس کے بعد آتا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اس کا مطلب ہوگا کہ تقویٰ

کا قانون قرآن کو بناؤ اور قرآن کے غیر کی طرف التفات نہ کرو۔ اس قانون نے انفال کی ملکیت کی آپ سے نفی کی ہے۔ تب اس کی ملکیت میں چاہے کم ہو یا زیادہ اختلاف نہ کرو! یہ مطلب ہے وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُم کا۔ اور تم سب اس کے مالک نہ ہونے میں مساوی درجہ رکھتے ہو۔ اس کے بعد کوئی ایسا اختلاف پیدا نہ ہوگا جس سے انتظام میں خلل پیدا ہو اور پہلی تنظیم اپنی حالت پر باقی رہے گی۔ اسی کی طرف وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جماعت کے انتظام کو محفوظ رکھا جائے۔

آگے آیت ۵ سے آیت ۱۴ تک عدم تملک کی حکمت کو واضح کیا گیا ہے جو یہ ہے:۔

"یہ واقعہ مومنوں کی قرارداد سے نہیں ہوا اور فتح اس لیے واقع ہوئی ہے کہ مؤمن حظیرۃ القدس کے لیے بمنزلہ جارحہ کے تھے، وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے جمیع امور میں اللہ پر توکل کرتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کے توسط سے کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اصل تاثیر اللہ پاک کے ارادے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قتال کا ارادہ فرمایا تھا اور مدینہ میں اپنے خواص اصحاب کو اپنے ارادے سے واقف فرمایا تھا۔ اور عمومی مشورہ مدینے میں نہ ہوا، کیوں کہ اس سے عمومی مصالح رد کتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے ایک طائفہ کے لیے نکلے تھے، عام لوگوں نے اس کو قافلہ سمجھا جو کہ مکہ جا رہا تھا اور خواص نے قوتِ محاربہ سمجھا۔ یہ بحث اگر مدینہ میں کھل کر ہوتی تو منافقوں کو دخل دینے کا موقعہ ہاتھ آجاتا۔